شیطان سے استعاذہ۔احکام ومسائل

زاہدہ شبنم *
عتیق امجد **

استعاذہ یعنی پناہ طلب کرنا اسلامی شریعت کا ایک خاص موضوع ہے، پیغمبرِ اسلام نے ایک ایسی شریعت بنی نوع انسان کو اللہ کی امانت کے طور پر منتقل کی ہے جو اللہ کے بندوں کو درپیش تمام مسائل کا حل پیش کرتی ہے، انہیں ہمت ، جرأت ، شخصی و اجتماعی ارتقاء و ارتفاع کے لئے اس طرح تیار کرتی ہے کہ وہ آزادی ، استقامت، اولوالعزمی اور جرأت کے ساتھ آگے بڑھ سکیں ، کوئی ایسا خوف جو ان کی خوبصورت اور بامقصد منزل اور اس کے راستوں میں روکاوٹ نہ پیدا کر سکے، یہ خوف ایسے تمام قسم کے خدشات، اندیشوں اور وسوسوں کو حاوی ہوتا ہے، جو غیر مجاز ہوں یعنی غیر اللہ کا خوف جن میں شیطان کے حملوں کے نقصانات کا خوف، رات کی تاریکی ،ظلمات، موذی حشرات ودواب وغیرہ یا پھر دشمنوں کا خوف ہوسکتا ہے، بسا اوقات انجانے وسوسے اور اندیشے ،بھی خوف زدہ کر دیتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں شیطان سے استعاذہ کا وسیع تر مفہوم، اس کا حکم اور اس کے مواقع پر بحث کی گئی ہے۔

عاذ یعوذ عوذا بمعنی کسی سے التجاء کرنا پناہ مانگنے کیلئے (۱) عوذ' عیاذ اور معاذ اس کے مصادر ہیں۔(۲)

حافظ ابن کثیر کے مطابق هی الإلتجاء الی الله والالتصاق بجانبه من شر کل ذی شر (۳) یعنی استعاذہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے اور ہر صاحب شر کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ کے ساتھ وابستگی اور انسلاک کو کہتے ہیں۔

امام راغب الاصفہانی کے نزدیک العوذ' الالتجاء إلی الغیر والتعلق به (۴) یعنی عوذ کسی دوسرے سے التجاء کرنے اور اس سے منسلک رہنے کو کہتے ہیں۔ امام قرطبی نے استعاذہ کی تعریف،الاستجارة والتحیزالی الشئی علی معنی الامتناع به من المکروہ کی ہے۔(۵)

استعاذۃ کی مختلف تعریفوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی جامع تعریف یہ بنتی ہے۔

''کسی عظیم سے التجاء و درخواست' کسی شریر سے محفوظ رہنے کی تمنا اور اس تمنا کی تکمیل کیلئے اس عظیم سے منسلک رہنے کو استعاذہ کہتے ہیں''۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔
** ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج، ماموں کانجن، فیصل آباد، پاکستان۔

کیونکہ التجاء ہمیشہ عظیم سے کی جاتی ہے' یہاں عظیم کا مفہوم مستعیذ سے بڑی اور طاقتور ہستی یا پھر شریر اور دشمن سے عظیم تر ہستی ہوگی۔ اس اعتبار سے استعاذہ اپنے معنی ومفہوم میں تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

(۱) التجاء واستدعا۔ (۲) شرارت سے محفوظ رہنے کی تمنا اور

(۳) عظیم ترین ہستی یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق اور وابستگی۔

جب کوئی شخص کسی سے استدعا' درخواست اور التجاء کرتا ہے تو وہ کسی غرض سے کرتا ہے اور جب اپنا مدعا بیان کر دیتا ہے تو دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) یہ کہ ملتجی کو ملتجیٰ الیہ سے کامیابی ملے یا کامیابی کی امید ہو' اس کی دو حالتیں ہوں گی۔ (الف) پہلی حالت یہ ہوگی کہ اس کی التجاء تو پوری ہوگئی لیکن مزید بہتری' حفاظت کے تسلسل اور آئندہ کیلئے بھی التجاء منوانے کی امید باقی رہے۔ (ب) دوسری حالت یہ ہوگی کہ کامیابی کی امید رہے اور اس کے مسلسل ارتقاء کی صورت بنتی رہے' اس طرح بھی امید باقی رہے گی۔

(۲) یہ کہ ناکامی ملے یعنی عظیم سے تمنا کی تکمیل کی امید ہی ٹوٹ جائے۔

پہلی صورت میں امید باقی رہے گی اور جب تک امید باقی رہے گی ملتجیٰ الیہ سے رشتہ وتعلق نہیں ٹوٹے گا' بلکہ ملتجی اس کو قربت میں بدلنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

پس تعوذ یا استعاذہ' التجاء و درخواست' اظہارِ تشکر و تسلسل حفاظت اور تمنائے تکمیل تینوں کے مجموعے کا نام ہے۔

استعاذہ میں کچھ کلمات کے ساتھ نقصان سے حفاظت کی غرض سے اور شر سے بچنے کے لئے کسی صاحب عظمت کی پناہ مانگی جاتی ہے' قرآن وسنت میں استعاذہ کی وسعت وتاکید اس کے اہم ہونے پر دلیل ہے۔

(۱) موجود شر کو دور کرنے کی غرض' اس سے انسان یعنی مستعیذ اپنا حال کا زمانہ درست رکھتا ہے۔

(۲) معدوم شر کو عدم پر باقی رکھنے کی غرض' اس سے مستعیذ اپنے مستقبل کو بہتر اور روشن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ قرآن وسنت میں دونوں اغراض سے متعلق کلمات استعاذہ بتائے گئے ہیں اور ان دونوں اغراض کو حقیقی اغراض میں شمار کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرضی وعدے' تخیلاتی مسائل اور محض تصوراتی اغراض میں انسان کو نہیں الجھاتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اس نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے لیا' کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ونبوت کے نفاذ کے دورانیہ میں کسی دوسرے نبی کی نبوت منسوخ ہو جائے گی اور اگر کوئی نبی اس دور میں موجود ہوئے تو اپنی نبوت کے نفاذ کے بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استحکام کیلئے کدّ وکاوش کریں گے۔ (۶) اس وعدے کی تکمیل کا مرحلہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔

چنانچہ نہ تو عیسیٰ علیہ السلام تعلیمات انجیل کا احیاء کریں گے اور نہ ہی امت محمدیہ کی امامت کو منسوخ کریں گے۔ بلکہ قرآنی تعلیمات کا نفاذ اور امامت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احیاء کریں گے۔(۷) بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو استعاذہ میں بھی حقیقی اغراض سے آگاہ کیا' اُن کو شعور بخشا اور ان کی اہمیت کا تذکرہ بھرپور انداز میں فرمایا۔ موجود شر کا بُعد اور معدوم شر کی معدومی بقاء کی دونوں اغراض اس ایک آیت کریمہ سے مستنبط ہوتی ہیں۔ **ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنه** (۸) اس میں دفع ضرر کے سلبی انداز کی بجائے ایجابی اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ یہ دعا' دنیا جو حال ہے اور آخرت جو ابھی موجود نہیں دونوں کے شر سے حفاظت کی دعا ہے۔ ظاہر ہے اگر حال اچھا ہوگا اور اُخروی استقبال احسن ہوگا تو شر موجود سے بُعد بھی حاصل ہوگا اور شر معدوم اپنے عدم پر باقی بھی رہے گا' اللہ تعالیٰ نے **اھدنا الصراط المستقیم** کی تشریح میں صراط مستقیم' انعام یافتہ لوگوں کا رستہ بتایا ہے اور اس میں اسی کی دعا سکھائی گئی' درحقیقت یہ استعاذہ ہے غضبِ الٰہی اور ضلالت وعصیاں سے بچنے کیلئے اور اس کی وضاحت انعام یافتہ لوگوں کے تذکرے کے فوری بعد کر دی گئی۔ سنت سے اس کی تشریح اور بھی آسان ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برے خیالات آنے اور اللہ کے بارے میں وساوس کے شر سے حفاظت (۹) کیلئے یہ کلمہ مستعاذہ پڑھنے کی تاکید کی۔ اسی طرح برے اور ڈراؤنے خواب کے دیکھنے پر آنکھ کھلتے ہی نفث تین بار کرنے' تعوذ پڑھنے اور پہلو بدل لینے کی ہدایت ارشاد فرمائی۔(۱۰) یہ دونوں حالتیں موجودہ ہیں یعنی مستعیذ یہ تعوذ اسی وقت پڑھے گا جب وہ متاثرہ حالت میں ہوگا گویا وہ وساوس وخیالات فاسدہ کے اور احلام کی رؤیت کے اثراتِ بد سے اپنے آپ کو دور کرنا چاہتا ہے لہٰذا موجود شر کو دور کرنے کی غرض سے اس نے یہاں سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کیا اور تعوذ پڑھا۔

جبکہ مسلمان ہر نماز میں اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر و عذاب جھنم(۱۱) کی دعا پر مشتمل استعاذہ کرتا ہے اور یہاں یہ دونوں عذاب نہ تو مستعیذ جھیل رہا ہے اور نہ ہی ان کے اثرات بد اس پر اپنا اثر دکھا رہے ہیں بلکہ عذاب قبر وجہنم مستعیذ کیلئے فی الحال معدوم ہے اور وہ اپنے سے اُسے معدوم رکھنے کیلئے ہی یہ استعاذہ کرتا ہے۔ یہ اشرار ایسے ہیں کہ ان کی برائی منتقل ہو کر نہیں آتی بالفاظ دیگر ان کا شر کسی دوسری شے کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ خود انسان کے افعال ہی سے یہ اشرار پھوٹتے ہیں۔ یا پھر مستعاذات منہ وہ ہیں جس میں مستعیذ کو کسی دوسرے کی طرف سے شر ملتا ہے خواہ اس میں مستعیذ کا کوئی عمل دخل ہو یا نہ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مستعاذات منہ مکلفین میں سے ہوں بلکہ غیر مکلّف بھی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح المستعاذات منہ کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(الف) ہر قسم کے منکرات' سیئات' فواحش اور گناہ جن کا مستعیذ خود ارتکاب کرتا ہے۔ المستعاذات منہ کی یہ قسم ہمہ وقت اپنے انواع واقسام کی بناء پر مستعیذ کو چوکس رکھتی ہے کہ وہ استعاذہ کرتا رہے۔

(ب) المستعاذ منہ کی دوسری قسم میں شیطن رجیم، غسق اللیل، سحر ونفٰثٰت اور جن وانس میں سے وسواس خناس لوگ سب شامل ہیں۔

ان میں شیطن رجیم کا تذکرہ سب سے اہم ہے، کیونکہ شر کی کثرت، شدت نیز خطرناک اور مہلک ہونے کے اعتبار سے اشرار میں سے اس کا کوئی ثانی نہیں نیز اس نے مخلوق انسانی کو گمراہ کرنے کیلئے اللہ سے اجازت بھی مانگی ہوئی ہے۔(۱۲) پس ہم شیطان رجیم کا تفصیلی تذکرہ اس سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کے اعتبار سے کریں گے۔

الشیطان کا مفہوم:

الشیطن کے مادے کے بارے میں دوقول ہیں۔ایک یہ کہ لفظ شیطان "شَطَنَ" سے مشتق ہے اور دوسرا یہ کہ "شاط" سے مشتق ہے دونوں قول درج ذیل ہیں۔

۱۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

الشیطان النون فیه اصلیة وھو من شطن ای تباعد (۱۳)

لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اور وہ شطن سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔

لغت عرب میں کہا جاتا ہے "غربة شطون" (۱۴) (دور کی مسافری) امیہ بن ابی الصلت، نابغہ ذبیانی اور زھری وغیرہم نے یہ مادہ اور لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔(۱۵)

اہل عرب کہتے ہیں (تَشَیطَنَ الرّجل) کہ آدمی نے شیطانی فعل کیا" (۱۶)

مفسر خازن کے نزدیک:

صحیح یہی ہے کہ شیطان "بُعد" کا معنی رکھتا ہے اور اسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے۔(۱۷)

۲۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

(قیل بل النون فیه زائدة من شاط یشیط احترق غضبا فالشیطان مخلوق من النار کما دل علیه **وخلق الجآن من مارج من نار** (۱۸)

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ شاط یشیط سے مشتق ہے جس کا معنی "غصے میں جلنا" ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے جیسا کہ اس پر آیت دلالت کرتی ہے اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے شعلے سے"۔

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد، بغض، غصہ اور عناد سے عبارت ہے۔خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے مادہ کے اشتقاق سے اللہ کی رحمت اور مومنوں کی دوستی ومحبت سے دور ہونے والے شخص اور دوسرے مادہ کے اشتقاق سے

بغض وعناد اور تکبر ونخوت کی آگ میں جلنے والے شخص پر دلالت کرتا ہے۔

الرجیم کا مفہوم:

شیطان کی صفت دائمہ الرجیم ہے۔جس کا مادہ رجم ہے۔(۱۹) الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے بناء بریں ''الرجم۔ الرمی بالرجام (پتھر سے مارنا) کے معنوں میں مستعمل ہے۔جس پر پتھراؤ کیا گیا ہو اسے ''مرجوم'' (۲۰) کہتے ہیں۔قرآن میں مذکور ہے کہ قوم نوح علیہ السلام نے تبلیغ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا:

قالوا لئن لم تنته یا نوح لتکونن من المرجومین (۲۱)

''وہ بولے اے نوح علیہ السلام اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے''۔

سورۃ صٰفٰت میں فرمایا:

ولقد زینا السمآء الدنیا بمصابیح وجعلنھا رجوما للشیطین (۲۲)

''بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیاطین کیلئے مار بنایا''۔

الرجیم دراصل فعیل کے وزن پر مفعول ہے جو ''مرجوم'' یعنی ''مطرود عن الخیر (خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔قرطبی نے اس کا معنی (المبعد من الخیر المھان) کیا ہے۔۲۳ الرجیم کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل کے طور پر ''راجم'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔حافظ ابن کثیر اس کی وجہ لکھتے ہیں:

لانہ یرجم الناس بالوساوس (۲٤)

''کیونکہ یہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ کی کنکری مارتا ہے''۔

قرآن کریم میں ہے:

الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس (۲۵)

''جو انسانوں کے قلوب واذہان میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے جس کا تعلق جن وانس سے ہے''۔

لہٰذا الرجیم کے دونوں معنی ''خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا اور وسوسہ ڈالنے والا'' قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔

الشیطان الرجیم کے معنوی اطلاقات:

استعاذہ یا تعوذ شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرنے اور اس کے مل جانے کی امید کا نام ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ الشیطان الرجیم کا معنوی اطلاق کس شئے پر ہوتا ہے لغوی ومعنوی مفہوم سے اصطلاحی اطلاقات کی تفہیم میں کافی آسانی حاصل ہوجاتی ہے قرآن کریم میں الشیطان الرجیم کے کئی اطلاقات ہیں جن میں س ے چند ایک یہ ہیں:

ا۔''الشیطان الرجیم'' کا پہلا اور معروف اطلاق ایک مخصوص فرد پر ہوتا ہے جس کا تعلق گروہ جنات سے ہے اور اس کا

نام ''ابلیس'' ہے۔ اسی کو عرف عام میں ''شیطان'' کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے۔ غالبًا سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ''سورۃ الاعراف'' میں ہے۔

(الف) **ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس لم یکن من السٰجدین۔ قال ما منعك الا تسجد اذ امرتك قال انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته' من طین قال فاھبط منھا فما یکون لك ان تتکبر فیھا فاخرج انك من الصغرین (۲۶)**

''پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کی عظمت کو تسلیم کیجئے جسے ابلیس کے سوا سارے ملائکہ نے تسلیم کیا کیونکہ یہ پہلے ہی تسلیم کرنے والوں میں سے نہیں تھا اللہ نے فرمایا جب میں نے تجھے تسلیم کرنے کا حکم دیا تجھے کس شئے نے تسلیم کرنے سے منع کیا ابلیس نے جواب دیا میں اس سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے تخلیق کیا ہے اور اسے مٹی سے تخلیق کیا اللہ نے جواب دیا اب تو یہاں سے نکل جا' تجھے یہ حق نہیں ہے کہ یہاں رہ کر تکبر کرے پھر فرمایا تو نکل جا تو ذلت والوں میں سے ہے۔''

(ب) **فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین۔ فسجد الملٓئکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس ابی ان یکون مع السجدین۔ قال یابلیس مالك الا تکون مع السٰجدین۔ قال لم اکن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حما مسنون قال فاخرج منھا فانك رجیم۔ وان علیك اللعنۃ الی یوم الدین (۲۷)**

جب میں آدم علیہ السلام کو مکمل بنالوں گا اور اس میں اپنی طرف سے روح داخل کر دوں تو تم سب اس کی عظمت کو تسلیم کرنا' سب ملائکہ نے تسلیم کیا سوائے ابلیس' اس نے تسلیم کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس تجھے کیا ہوا تسلیم کرنے والوں سے الگ رہا اس نے جواب دیا۔ مجھے زیبا نہیں کہ میں کسی بشر کو تسلیم کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے والی بجتی ہوئی مٹی سے تخلیق کیا' اللہ نے فرمایا کہ اس باغ سے نکل جا تو مردود ہے بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت و نبوت سے سرفراز کر کے ان کی فضیلت و عظمت کا سرعام اعتراف کرنے کیلئے حکم صادر فرمایا جسے تمام ملائکہ نے بلا تامل تسلیم کر لیا۔ بلکہ اس نے اپنے انکار کا یہ جواز پیش کیا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔ سورہ اعراف اور سورہ حجر کے دونوں مقامات پر یہ صراحت سے مذکور ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے ان کی فضیلت سے انکار کر دیا جس پر وہ غضب الٰہی کا مستحق قرار پایا اس کا استدلال یہ تھا کہ اس بشر جس کی تشکیل مٹی کے گارے سے ہوئی ہے مجھ سے کیونکر افضل ہوسکتا ہے

اللہ کی شان الوہیت میں یہی دلیل اس کے ملعون ہونے کا باعث ہوگئی۔ حالانکہ بشریت آدم علیہ السلام اور اس کی تشکیل کا ذکر کم وبیش اسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خود ہی فرما دیا تھا:

(د) **واذ قال ربك للملائكة انى خالق بشرا من صلصال من حماٍ مّسنون(۲۸)**

''جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی تخلیق کرنے والا ہوں''۔

لیکن اللہ کا اپنے نبی کی تخلیق کا ذکر اس انداز میں کرنا محض اظہار مقصود کیلئے تھا اس میں تنقیص نہ تھی جبکہ ابلیس بشریت آدم علیہ السلام کا ذکر صرف انکار فضیلت آدم کی دلیل کے طور کر رہا تھا اور اس کا نکتۂ نظر بجائے اعتراف عظمت کے آدم علیہ السلام کے ساتھ اپنا موازنہ تھا۔ یہ پہلو تنقیص نبوت کی طرف راجع تھا اور اس کی یہی سوچ حکم الٰہی سے انحراف کی بنیاد بنی جس پر اسے رحمت الٰہیہ سے دور قرب الٰہی سے محروم اور شان ربوبیت سے مطعون کر دیا گیا اور قرآنی ارشاد کے مطابق وہ ''شیطان رجیم'' کا مصداق اتم قرار پا کر ہمیشہ کیلئے لعنت کا مستحق ہوگیا اسی کو اللہ نے ''الشیطان'' اور ''الرجیم'' کے القاب سے یاد کیا۔ کیونکہ لفظ شیطان اپنے ایک معنی کے اعتبار سے دوری پر دلالت کرتا ہے اس لئے ابلیس کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ تنقیص نبوت اور حکم الٰہی سے تمرد وانحراف کی وجہ سے اللہ کی رحمت اور اس کی شان عافیت سے دور کر دیا گیا ہے اور یہ لفظ اپنی دوسرے معنی کے اعتبار سے حسد وعداوت کی آگ میں جلنے پر بھی دلالت کرتا ہے اس لئے ابلیس کو شیطان کہا گیا ہے کیونکہ وہ عظمت وفضیلت آدم علیہ السلام اور منصب نبوت کی رفعت وسطوت دیکھ کر حسد وعداوت کی آگ میں جل اُٹھا یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے بھی کھلی بغاوت پر تل گیا۔ چنانچہ یہ دونوں الفاظ ابلیس کے لئے قرآن حکیم میں متفرق طور پر بھی اور اکٹھے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

(س) **وما هو بقول شيطٰن رجيم(۲۹)**

''قرآن شیطان مردود کا قول نہیں''۔

لہٰذا قرآن کریم نے ابلیس کے شیطان قرار پانے کی خود تصدیق کر دی ہے۔ حالانکہ شیطان ایک صفت جو بھی حق کے سامنے رکاوٹ بنے گا اسے شیطان کے لقب سے موصوف کیا جاتا ہے۔ جس میں آباؤ اجداد' ارباب اقتدار' علماء سوء اور مشائخ عظام شامل ہیں۔

۲۔ ''**الشیطان الرجیم**'' کا دوسرا اطلاق نوع انسانی اور جنات کے ان تمام افراد پر ہوتا ہے جو اپنے فکر وعمل کے اعتبار سے شیطنت کے مظاہر ہیں۔ شیطنت اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے حسد وعداوت' بغض وعناد' فتنہ وشر اور وسوسہ اندازی کی تمام صورتوں کو محیط ہے۔ اس لئے وہ تمام افراد جو ایسے خصائل ذمیمہ سے متصف ہو کر مخلوق الٰہی کو

مصائب و آلام‘ فتنہ وشر اور وسوسہ وتفرقہ کی آگ میں جھونکتے پھرتے ہوں ان کے شر سے پناہ مانگی جائے۔قرآن جنات اور انسانوں دونوں طبقات میں سے ایسے افراد کو’’شیطان‘‘ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

(الف) **وکذالك جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا(۳۰)**

’’اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے شیطان‘ انسانوں اور جنات میں سے دشمن بنائے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے قلوب میں دھوکے کیلئے مزین بات کا القاء کرتے ہیں‘‘۔

اسی طرح قرآن کفر و طاغوت کے ان علمبرداروں کو بھی شیطان کہتا ہے جو ہمہ وقت اہل ایمان کے اغواء‘ واضلال میں مصروف رہتے ہیں۔

(ب) **واذا خلوا الی شیٰطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزء ون (۳۱)**

’’جب منافقین اپنے سرداروں سے علیحدہ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں‘ ہم مسلمانوں سے صرف مذاق سے کام لے رہے تھے‘‘۔

دوسرے اطلاق کے اعتبار سے’’شیطان‘‘ متعدد افراد کا لقب ہے جو ہر وقت انسانوں کو حق وصواب اور امن و آشتی سے محروم کرنے پر تلے رہتے ہیں۔

وان الشیٰطین لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم (۳۲)

’’بیشک شیطان اپنے احباب کے قلوب میں یہ خیال ڈالتے رہتے ہیں وہ تم سے جھگڑا کریں‘‘۔

۳۔ ’’شیطان رجیم‘‘ کا تیسرا اطلاق جنس شیطنت پر ہوسکتا ہے۔جس طرح پہلے بیان کیا گیا ہے کہ شیطان شطن سے مشتق ہوتو اس کا معنی دوری ہوگا۔اگر شاط یشیط سے مشتق ہوتو اس کا معنی حسد وعداوت کی آگ میں جلنا اور کذب و باطل ہوگا۔ چنانچہ لفظ شیطان کے لحاظ سے استعاذہ کا اطلاق اس طرح ہوگا کہ میں اللہ کی رحمت و ہدایت سے دوری‘ حسد وعداوت جیسے تمام خصائل ذمیمہ اور ہر کذب و باطل سے پناہ مانگتا ہوں اسی طرح الرجیم‘ خواہ ارجم کے معنی میں استعمال ہو یا مرجوم کے اس کا اطلاق بھی اس طرح ہوگا کہ میں بارگاہ الوہیت سے دھتکارے جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور ہر فتنہ وشر اور وسوسہ ڈالنے سے بھی پناہ مانگتا ہوں گویا انسان ہر اس عمل سے پناہ مانگے جو اس کو اللہ کی رحمت اور قرب سے دور کردے۔ ہر وہ کام جو باطل ہو اور حق وصداقت سے متصادم ہو شیطنت ہے اور اس سے گریز لازم ہے۔اسی طرح انسان ہر حال میں بغض وعناد رنج وحسد‘ رعونت اور کبر ونخوت جیسے رذیل اخلاق سے پرہیز کرے کیونکہ اس سے انسانی شخصیت نہ صرف غیر متوازن بلکہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے‘ شخصیت کو متوازن اور

مضبوط بنانے کیلئے ان ذمائم سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے اللہ نے استعاذہ کے ذریعے انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان خصائل سے اپنا دامن صاف رکھنے کیلئے دعا کی تعلیم کی ہے اور ان کو لعنت قرار دیا ہے کہ انسان طبعاً ان سے آلودہ ہونے میں عار محسوس کرے۔

شیطان کے خلاف تعوذ کے پڑھنے کی وجہ:

''بسم اللہ سے پہلے تعوذ۔ پناہ چاہنا ضروری ہوتا ہے اس لئے بسم اللہ سے پہلے تعوذ کا ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا حکم ہے کہ قرآن کو پڑھنا چاہو تو اللہ کی پناہ طلب کرو تا کہ شیطان کے بہکانے اور اس کے وسوسوں سے بچ جاؤ''۔(۳۳)

پہلے اس طور پر اللہ کی پناہ مانگنے کیلئے یہ کلام پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ملائکہ وغیرہ کو اس کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا تھا تو شیطان نے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کیا اس نے یہ کہا تھا:

قال فبما اغویتنی لا قعدن لهم صراطك المستقيم۔ ثم لأتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمآئلهم ولا تجد اكثرهم شكرين (۳۴)

''شیطان اس سبب سے کہنے لگا اے اللہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں میں ان کیلئے آپ کی صراط مستقیم کی گھات بیٹھوں گا پھر ان پر ان کے آگے پیچھے دائیں اور بائیں جانب سے حملہ کروں گا آپ ان میں سے اکثر کو شکرگزار نہ پائے گا''۔

اس وقت اللہ نے شیطان کو یہ فرمایا:

قال اذهب فمن تبعك منهم فان جهنم جزاؤكم جزآءً موفورا۔ واستفزز من استطعت منهم بصوتك واجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم فى الاموال والا ولادوعدهم وما يعدهم الشيطن الا غرورا۔ ان عبادى ليس لك عليهم سلطٰن وكفى بربك وكيلا (۳۵)

''اللہ نے جواب دیا اے شیطان تو جا جو ان میں سے تیرے پیروکار بن جائیں گے تو جہنم ان سب کا پورا پورا بدلہ ہے ان میں سے جن پر تیرا بس چلے اپنی چیخ و پکار سے ان کا قدم اُکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لینا اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا شریک بنا لینا اور ان سے وعدے کرنا کہ گناہوں پر مواخذہ نہ ہوگا حالانکہ شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے بے شک میرے مخلص بندوں پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا آپ کا رب ہی کامل متصرف ہے''۔

میرے بندے جو اللہ کی حمایت اور پناہ کے طلبگار رہوں گے وہ نہ تیری آواز سے گمراہ ہوں گے اور نہ تیری

فرستادہ جماعتوں سے دھوکا کھائیں گے اور نہ تیرے وعدوں کو سچا سمجھیں گے۔ جب شیطان نے وسوسہ اور ہر ممکن وجہ سے بہکانے کا وعدہ کیا تھا تو اس کیلئے اللہ نے حکم دیا کہ تم کو چاہیئے کہ اللہ کی پناہ اور حمایت طلب کرو بیشک وہ انسان جس کا اللہ کے ساتھ ایمان کامل ہوگا اور وہ اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ شیطان کے بہکانے سے گمراہ نہ ہوگا۔

انہٗ لیس لہٗ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربھم یتوکلون (۳۶)

''بیشک شیطان کا مومنین اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے والوں پر کچھ بھی زور نہیں چلتا''۔

انما سلطانہٗ علی الذین یتولونہٗ والذین ھم بہ مشرکون (۳۷)

''بیشک شیطان کا زور انہیں پر چلتا ہے جو اسے دوست رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں''۔

شیاطین کے شر کی مختلف اقسام (وسواس خناس):

۱۔ پہلی صورت دل میں کوئی خیال یا وسوسہ ڈال کر کسی غلط کام کیلئے اکسانا ہے یہ ایک بڑا شر ہے۔ اس سے نفرتیں اور عداوتیں جنم لیتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا: **فوسوس لھما الشیطن** (۳۸) ''پھر شیطان نے ان کے نفس میں وسوسہ ڈال دیا''۔

من شر الوسواس الخناس۔ الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس (۳۹)

''خناس کے فکری شر سے پناہ مانگتا ہوں جو انسانوں کے قلوب واذہان میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے جس کا تعلق جن وانس سے ہے''۔

ہمارے معاشرے میں اس کی عملی مثال کسی کے خلاف شر انگیز اور بے بنیاد پروپیگنڈا ہے جو کئی انسان اپنے مذموم مقاصد کیلئے اکثر کرتے رہتے ہیں۔ جدید میڈیا اس کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

۲۔ دوسری صورت ساحرین کے شر کی ہے یہ بھی شیاطین کا کام ہے اسے اسلام نے کفر سے تعبیر کیا ہے من اتی عرافااو کاھنافصدقۃ فیما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد(۴۰) ''جو انسان کسی جادوگر یا قسمت کا حال بتانے والے کے پاس گیا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی ہدایت سے کفر کیا''

۳۔ تیسری صورت حاسدین کے شر کی ہے۔ **ومن شر حاسد اذا حسد** (۴۱)

اور پناہ مانگتا ہوں حسد والے کے شر سے جب وہ حسد کرے'' حسد کا شر دو صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

(الف) ایک حاسد کسی کو بہتر حالت میں دیکھ کر جل اُٹھے گا اور اسے نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ بھی ترک نہیں کرے گا اس شر انگیز کوشش سے جو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے اس سے پناہ طلب کی جائے۔

(ب) دوسری یہ کہ تعصب وحسد بذاتِ خود ایک ایسی آگ ہے جو غیر حسی اور غیر مرئی ہوتی ہے لیکن اس کی شرانگیزی سے دوسرے انسان کو بغیر کسی ظاہری کوشش کے نقصان پہنچ سکتا ہے اسی کو شیطانی شر قرار دیتے ہوئے قرآن اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتا ہے (۴۲) کیونکہ ہر قسم کے شر سے حفاظت کی بہترین صورت استعاذہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو ذات کوئی امر مقدر کرتی ہے وہی اس کو بدل دینے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا اسی سے ہر حال میں پناہ طلب کی جانی چاہئے۔

۴۔ چوتھی صورت شیاطین چونکہ جنات کے ایک ایسے گروہ کا بھی نام ہے جو فاسق وفاجر یا کافر ومنافق اور شریر ہوتے ہیں وہ بنی نوع انسان کو مختلف طریقوں سے پریشان کرتے رہتے ہیں اس لئے ان کے شر سے بھی پناہ مانگنی چاہئے...... جہاں تک اس امر کی صحت امکان کا تعلق ہے قرآن حکیم کہتا ہے کہ سودخور قیامت کے دن آسیب زدہ انسان کی طرح مختل ومبہوت ہو کر اُٹھے گا۔ قرآن میں ہے۔

الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس ذلك بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللّٰه البیع وحرم الربوا (۴۳)

جو انسان سود کھاتے ہیں ان کا حال ایسا ہو جاتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی شئے ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے''۔ لہٰذا شیاطین کے اس شر سے بھی پناہ مانگنا استعاذہ ہی کا حصہ ہے۔

۵۔ پانچویں صورت شیاطین کی ایسی گمراہی پھیلانے کی ہے۔ جس کا شعور تک انسان کو نہیں ہوتا شیطان کسی معاملے میں خواہ نجی وانفرادی ہو یا مذہبی وسیاسی ایسی منفی سوچ انسانی ذہن میں بٹھا دیتا ہے جسے انسان حق سمجھتا ہے حالانکہ وہ باطل ہوتی ہے اور وہ انسان اس کی حمایت میں بسا اوقات کٹ مرنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے اعتقادی اور عملی سطح پر انسان کو گمراہ کرنے کی کاوشیں شیاطین ہمہ وقت جاری رکھتے ہیں لیکن انسان کو ان کا علم تک نہیں ہوتا قرآن حکیم میں ہے کہ شیاطین ہر وقت تمہاری تاک میں رہتے ہیں۔ **انه یراکم هو وقبیلهٗ من حیث لا ترونهم انا جعلنا الشیطین اولیاء الذین لایؤمنون** (۴۴) ''بے شک ابلیس اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں تم انہیں نہیں دیکھ سکتے بے شک ہم نے شیاطین کو ایمان نہ لانے والوں کا دوست بنایا ہے''۔ **فریقا هدی وفریقا حق علیهم الضللة انهم اتخذوا الشیطن اولیاء من دون اللّٰه ویحسبون انهم مهتدون** (۴۵)

''ایک فرقے نے ہدایت پائی اور ایک پر گمراہی ثابت ہوگئی اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنا لیا اور یہ گمان یہ رکھتے ہیں کہ ہم ہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

اللہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اس پر غالب اور قادر ہے لیکن اکثر انسان حقیقت واقعیہ سے ناآشنا ہیں''۔
ہر مسلمان کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون (۴۶)

تمام مسلمانوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور فقط اسی سے ڈرنا چاہئے۔

ویخشونہٗ ولا یخشون احدا الا اللّٰہ (۴۷)

''اللہ کے رسولوں کی یہ صفت ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کے بغیر کسی سے نہیں ڈرتے''۔

جو انسان اللہ کے بغیر کسی اور کا بھی خوف دل میں رکھتا ہے اس کے توکل علی اللہ میں اتنا ہی نقص ہوگا۔

انہٗ لیس لہٗ سلطن علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون انما سلطانہٗ علی الذین یتولونہٗ والذین ھم بہ مشرکون (۴۸)

بے شک شیطان کا ایمان لانے والوں پر کچھ بھی تسلط نہیں اور وہ صرف اپنے مالک اللہ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں بے شک وہ انہیں انسانوں پر غلبہ پاتا ہے جو اسی کے دوست بنے رہتے ہیں اور جو شیطان کی مطابعت کر کے مشرک ہوتے ہیں۔

انما ذلکم الشیطن یخوف اولیآء ہ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین (۴۹)

بے شک یہ تمہارا شیطان ہی تو ہے جو اپنے دوستوں کے دل میں خوف ڈالتا ہے اس لئے تم اس سے مت ڈرو اور اگر تم ایمان لائے ہو تو مجھ سے ہی ڈرو۔

لہٰذا اہل ایمان کو صرف اللہ سے ہی استعاذہ کرنا چاہئے۔ ذاتِ الٰہ کے علاوہ اللہ کی صفات کے ساتھ تعوذات پڑھنا بھی مسنون ہے، البتہ تعوذ باللہ کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، کیونکہ قرآن کریم شیطان مردود سے بچاؤ کے لئے سب سے زیادہ تعوذ باللہ ہی کے الفاظ ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا **فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم** (۵۰) جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے 'بقرہ' کے حکم کو استہزاء سمجھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ تو ہم سے استہزاء کر رہے ہیں تو انہوں نے اللہ کے جس نام کے ساتھ استعاذہ کیا وہ 'اللہ' ہی تھا۔ **قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین (۵۱)**

استعاذہ کے مواقع:

(۱) تلاوت قرآن سے پہلے۔(۵۲)

(۲) صبح وشام۔(۵۳)

(۳) کسی جگہ اترتے ہوئے۔(۵۴)

(۴) احلام کی رؤیت پر۔(۵۵)

(۵) وساوس کے آنے پر(۵٦)

(٦) نیند کیلئے لیٹتے وقت(۵۷)

(۷) بازار میں داخلے کے وقت (۵۸)

(۸) گھر سے باہر نکلتے وقت (۵۹)

(۹) بیت الخلاء جاتے وقت (٦۰)

(۱۰) ہوائے نفس کے غلبہ کے وقت (٦۱)

(۱۱) ظلم واتہام کے وقت (٦۲)

(۱۲) کسی بھی مصیبت کے وقت (٦۳)

(۱۳) الٰہی حکم ومصالح کے استہزاء کے جواب کے وقت (٦۴)

ان میں سے دیگر سب مواقع ایسے ہیں کہ جن پر استعاذہ میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ان کے اوقات کی تعیین میں۔ لیکن قرآن کریم اول: تو یہ ہے کہ یہ نہایت عظیم ہے۔ دوم: یہ ہے کہ اس وقت کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے۔ سوم: یہ کہ اس سے پہلے تعوذ میں کچھ اشکالات ہیں لہٰذا سطور ذیل میں صرف قرآن سے پہلے استعاذہ کا مطالعہ کیا جائے گا۔

قرآن سے پہلے تعوّذ کا حکم:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک نماز کے علاوہ تلاوت قرآن سے پہلے استعاذہ مستحب ہے۔(٦۵)

(۲) امام خازن نے اسے سنت لکھا ہے۔(٦٦)

(۳) بلکہ بعض کے نزدیک قرآنی حکم 'فاستعذ' اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے یہی منقول ہے۔(٦۷)

امام ابن سیرین اسقاطِ وجوب کیلئے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کا تعوذ کافی سمجھتے ہیں۔(٦۸)

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآنی امر اس کی فرضیت و وجوب کیلئے نہیں بلکہ ندب واستحباب کیلئے وارد ہوا ہے اس کا ترک شرعاً گناہ نہیں ہے۔(٦۹)

(۴) بعض علماء جن میں ابن سیرین، ابراہیم نخعی اور ابن العربی وغیرھم شامل ہیں نے متذکرہ بالا آیت کے ظاہر عبارت سے یہ استنباط کیا ہے کہ استعاذہ کا حکم تلاوت کے بعد کیلئے ہے۔(۷۰) یہ قول مذہب مختار سے مطابقت نہیں

رکھتا۔جبکہ احناف،ثوری،اوزاعی،اورامام شافعی قبل القرأۃ استعاذہ کے قائل ہیں۔(۷۱) دراصل اس آیت کی ترکیب لفظی، درج ذیل آیت کے مماثل ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کا حکم صادر کیا گیا ہے۔

اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق (۷۲)

''جب تم نماز کیلئے کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوؤ''۔

اگر یہاں بھی صرف ظاہر عبارت کا مفہوم لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ''جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ تو اپنا منہ دھوؤ'' حالانکہ وضو قیام صلوٰۃ کے بعد نہیں بلکہ پہلے شرط ہے۔ چنانچہ اس امر کے پیش نظر تمام مفسرین بالاتفاق **اذا قمتم الی الصلوۃ** معنی (اذا اردتم القیام) (جب تم قیام کا ارادہ کرو) لیتے ہیں۔(۷۳) دوسرے یہ کہ یہاں قیام سے مراد صف میں کھڑے ہونا نہیں بلکہ 'قمتم' کمربستہ ہونے' نماز کی تیاری کیلئے اُٹھنا مراد ہے۔ یہی اصول آیت استعاذہ میں بھی کارفرما ہے۔ لہٰذا اذا قرأت القرآن کا معنی (اذا اردت القرأۃ) (جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے) ہوگا احادیث نبوی کے ذریعے بھی یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ محض ظاہر عبارت سے اس قول کا استدلال درست نہیں ہے بناء بریں استعاذہ تلاوت سے قبل ہی مستحب ہے نہ کہ بعد میں۔

تعوذ کیلئے امام سفیان ثوری' امام اوزاعی اور امام احمد بن حنبل نے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم کے الفاظ پسند کئے ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور دیگر علماء نے صرف اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم کے الفاظ کو ہی مختار قرار دیا ہے۔(۷۴) دونوں اقوال میں کوئی تضاد یا تناقض ہرگز نہیں جس طرح بھی پڑھ لیا جائے درست ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ایک مقام پر اس طرح مذکور ہے۔ **واما ینزغنك من الشیطن نزغ فاستعذ باللّٰہ انہٗ ھو سمیع علیم** (۷۵) ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ایسے وقت میں آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو فوراً اللہ سے پناہ مانگئے بے شک وہ سمیع اور علیم ہے''۔ **فاستعذ باللہ انہٗ ھو السمیع العلیم** (۷۶) ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی پناہ مانگئے بے شک وہی سمیع وعلیم ہے''۔ ان دو آیات کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں کئی مقامات پر استعاذہ کی تلقین کی گئی ہے۔ **وقل رب اعوذ بك من ھمزٰت الشیطن واعوذبك رب ان یحضرون** (۷۷) ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیجئے اے میرے رب میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

قرآن سے پہلے استعاذہ۔حکم واسباب:

یہاں ایک اور سوال ذہنوں میں پیدا ہوسکتا ہے کہ استعاذہ کا حکم بطور خاص تلاوت قرآن سے پہلے کیوں ہے؟ حالانکہ قرآن سراسر ہدایت ہے' اسی سے تمام گمراہی وضلالت کے پردے چاک ہوتے ہیں تو اس کتاب کی

تلاوت پر استعاذہ کیوں مقدم ہے؟ یہی نکتہ غور طلب ہے۔

فاذا قرات القرآن فاستعذ باللّٰه من الشیطن الرجیم (۷۸)

جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیجئے۔

ا۔ اس حکم سے یہ اشارہ بڑی صراحت کے ساتھ ملتا ہے کہ شیطانی گمراہی کا اندیشہ اس رستے پر بھی ہے اس لئے یہاں احتیاط کا دامن تھامنے کی تلقین کی جارہی ہے کہ قرآن پڑھنے سے پہلے ضرور بالضرور شیطان مردود کی حیلہ سازیوں اور گمراہیوں سے اللہ کی پناہ طلب کرلو کیونکہ اس راستے پر شیطان کا حملہ تمام حملوں سے زیادہ مہلک خطرناک ہوگا۔ **قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطك المستقیم(۷۹)** ''شیطان بولا قسم اس کی جو تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔''

(الف) یہاں یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہوجاتی ہے کہ جو انسان پہلے ہی گمراہ ہیں اور راہ حق کے متلاشی نہیں ہیں یا غلط عقائد واعمال کے راستوں پر چل رہے ہیں۔ انہیں بہکانے کی زیادہ فکر شیطان کو نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ تو پہلے سے ہی اس کے ساتھی ہیں اور انہیں آخرت کی چنداں فکر نہیں ہوتی نہ ہی انہیں صرف اسی قدر دھوکے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ انہیں اپنے افعال وحرکات پر کوئی ندامت ہوتی ہے کیونکہ فرعونیت وانانیت انہیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ شیطان اپنی تمام تر قوت اور حیلہ سازی صراط مستقیم پر گامزن افراد کو بھٹکانے کیلئے صرف کرتا ہے اس کی ساری محاذ آرائی ہی دراصل ان انسانوں کے خلاف ہے جو راہ ہدایت پر چل رہے ہیں اور راہ ہدایت پر بلاشبہ قرآن وسنت کی راہ ہے جو انسان قرآن وسنت سے اپنے فکر کی آبیاری کرنا چاہتے ہیں اور انہیں سے اپنے خیالات ونظریات کو اخذ کرنا چاہتے ہیں شیطان انہیں گمراہ کرنے کیلئے اسی سیدھی راہ پر تاک لگائے بیٹھا ہے جیسا کہ **لاقعدن لھم صراطك المستقیم** (۸۰) میں یقیناً تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا'' میں اس امر کی صراحت ہے اگر وہ قرآن وسنت سے تمسک واعتصام کی آرزو رکھنے والوں کو گمراہ کرلے تو یہی اس کی کامیابی ہے۔ دوسروں کو گمراہ کر لینا اس کیلئے چنداں باعث فخر نہیں۔ اس راستے سے گمراہی اس طرح داخل ہوسکتی ہے کہ قرآن پڑھنے والا جس معنی ومفہوم کو قرآنی مدعا سمجھ رہا ہے وہ درحقیقت قرآنی مدعا نہ ہو بلکہ اس کی عقل کا بہکاوا ہو' وہ اسی کو فکر قرآنی سمجھ کر اپنے نقطہ نظر میں پختہ ہو اور اسے اس تحریف معنوی کا شعور تک نہ ہو۔ اس طرح وہ خود کو ہدایت یافتہ اور دوسروں کو گمراہ تصور کرتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی اپنی گمراہی ہو۔ اسی بات کو قرآن اپنے لفظوں میں بھی بیان کرتا ہے۔

یضل به کثیرا۔ ویھدی به کثیرا وما یضل به الا الفسقین (۸۱)

اور اللہ اس سے بہت سے انسانوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے انسانوں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس

سے سوائے فاسقین کے کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

(ب) پھر اپنی گمراہی کی دلیل قرآن کو بنانا عظیم تر ضلالت ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت بھی ایسے افراد امت مسلمہ میں موجود ہیں جو قرآن سے نکات لطیفہ کے زعم میں نئے نئے خیالات اور اپنے خیالات کی شہادت میں آیاتِ قرآنیہ کی دوراز کار تاویلات کی تلاش میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔

چنانچہ تلاوت قرآن سے قبل شیطانی حملہ سے بچاؤ کی ضرورت عام حالات سے بھی زیادہ تھی اس لئے اس موقع پر بالالتزام استعاذہ کا حکم صادر کیا گیا تا کہ راہ ہدایت پر چلتے ہوئے گمراہی کے تمام خدشات سے محفوظ و مامون ہوا جا سکے چور ہمیشہ اسی پر حملہ آور ہوگا جس کے پاس کچھ اور دولت ہوگی اگر کوئی پہلے سے تہی دامن ہو تو اس پر چور کو زیادہ تحریص نہیں ہوا کرتی۔ یا پھر چور ایسے لوگوں سے رابطے مضبوط کرنے کے لئے تگ و دو کرتے اور انہیں متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے دھندے میں اطلاعات بہم پہنچا کر، ماحول چوروں کیلئے سازگار بنا سکتے ہوں۔ اس لئے حکم استعاذہ قرآن پڑھنے پر مقدم ہے تا کہ شیطانی حملہ اور اس کے خطرناک اثرات سے حفاظت کا سامان پہلے تیار کر لیا جائے اور پھر انسان دشت تحقیق کا رہ نورد ہو۔

عصر حاضر میں جدید تعلیم یافتہ مفسر تفسیر قرآن کی ضروریات و لوازمات پورے کئے بغیر تفسیر قرآن کی جسارت کر رہا ہے اور اپنے اپنے ناقص فہم سے قرآنی فکر میں نقص کی آویزش کی تحریف کر رہا ہے۔ اس لئے اس راستے پر پہلے سے کہیں زیادہ گمراہی کے خدشات پیدا ہو گئے ہیں۔

۲۔ استعاذہ کی دوسری وجہ تقدیم یہ ہے کہ قرآن اطاعت الٰہی کا راستہ ہے اور تعوذ شیطنت سے نجات کا ذریعہ۔ شیطنت سے نجات حاصل کئے بغیر انسان اطاعت الٰہی کے فوائد و ثمرات سے متمتع نہیں ہو سکتا اس لئے حکم دیا گیا کہ قرآن پڑھنے سے پہلے خود کو شیطنت کے غلبہ و نفوذ سے پاک کر لیا جائے تا کہ قرآن کی جملہ برکات و تاثیرات کے قبول کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ تلاوت قرآن پر استعاذہ کو اسی طرح مقدم رکھا گیا ہے جس طرح تعلیم کتاب و حکمت پر تزکیہ نفوس کو۔

یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ (۸۲)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور پھر انہیں کتاب حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

۳۔ استعاذہ کو تسمیہ سے پہلے پڑھنے کا حکم ہے حالانکہ اسلام میں ہر کام کا آغاز تسمیہ سے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تسمیہ ذکر الٰہی اور حصہ قرآن ہے اس لئے اس کا درجہ تحلیہ کا ہے جبکہ استعاذہ بمنزلہ تخلیہ کے ہے اور تخلیہ ہمیشہ تحلیہ پر مقدم ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی انسان لباس فاخرہ پہننا چاہتا ہو پہلے بدن کو میل کچیل پوشیدہ اور

ناپسندیدہ لباس بند موومہ کے اثرات وغیرہ سے خالی کرنے کیلئے قرآن کے ظاہری مس کیلئے بھی طہارت جسمانی ضروری ہے جو صرف استعاذہ سے ہی ممکن ہے۔ **لایمسهٗ الا المطهرون** (۸۳) ''قرآن کو سوائے مطاہر انسانوں کے کوئی مس نہ کرے'' یہ آداب تلاوت میں سے ہے اسی طرح استعاذہ بھی ایمانی طہارت کا واحد کامل طریقہ ہے جس کیلئے ذہن وفکر کا مکمل تخلیہ درکار ہے تاکہ فکر قرآن سے آراستہ فکر کی تشکیل آسان ہوسکے۔ جس کے بعد ہی قرآنی ہدایت کے اخذ وحصول کی اہلیت پیدا ہوسکتی ہے۔

۴۔ استعاذہ کو تسمیہ پر مقدم کرنے میں لفظ ومعنوی مناسبت بھی ہے۔ استعاذہ میں ''الشیطان الرجیم'' سے پناہ طلب کی گئی ہے اور تسمیہ میں ''الرحمٰن الرحیم'' سے تعلق واتصال کا بیان ہے استعاذہ کے الفاظ میں اللہ کی رحمت سے دوری شقاوت و بدبختی اور محرومی کا ذکر ہے اور ان اوصاف سے نجات پانے کی تمنا کا بیان ہے۔ ادھر اس کے بعد متصلاً تسمیہ کے الفاظ میں اللہ کی رحمانیت ورحیمیت کا تذکرہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اے انسان کا دامن گناہوں اور کوتاہیوں سے اپک ہو جائے تو اللہ کا دامن رحمت ایسے اپنی پناہ میں لینے میں ذرا بخل نہیں کرتا' یہی حقیقت ھدی للمتقین میں ہے۔ سعادت سے اور تیری محرومی لطف وعنایت سے بدل جائے گی تو اللہ رحمٰن ورحیم کی حفاظت میں آجائے گا اور اس طرح تجھے دنیا کی کوئی طاقت خیر سے محروم نہ کرسکے گی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن منظور الافریقی: جمال الدین محمد بن مکرم: علامہ، لسان العرب، بیروت، دارالفکر، الطبعہ الاولی ۱۴۱۰ھ، ۱، ج:۴۔۵، ص:۳۳

(۲) ایضاً

(۳) ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین: الدمشقی، تفسیر القرآن الکریم (تفسیر ابن کثیر)، ریاض: دار السلام، طبعہ ثالثہ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء، ج:۹، ص:۳۷۰

(۴) راغب اصفہانی (م ۱۵۰۲ء)، المفردات فی غریب القرآن، مصر: المطبعہ المیمنیہ علی نفقۃ مصطفیٰ البابی ۱۳۲۴ھ، ص:۳۶۶

(۵) قرطبی: ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)، مقدمہ، بیروت: دار الکتب العربی، ۲۰۰۷ء، ج:۱، ص:۹۵

(۶) آل عمران (۳):۸۱

۷) ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی ،الامام(م۲۷۵ھ)،السنن، ریاض: دارالسلام ، الطبعۃ الاولیٰ ،۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، کتاب الملاحم' باب خروج الدجال' ح ۴۳۲۴

(۸) البقرۃ (۲):۲۰۱

(۹) مسلم بن الحجاج نیشاپوری:الامام(م۲۶۱ھ) الجامع الصحیح (مسلم)ریاض: دارالسلام ، الطبعۃ الثانیہ ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، کتاب الایمان' باب بیان الوسوسۃ فی الایمان...... ح ۳۴۵' ص:۷۰۰

(۱۰) بخاری:(صحیح بخاری) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم (م۲۵۶ھ)الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ وسننہ وایامہ، ریاض، دارالسلام، طبعہ اولی،۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، کتاب التعبیر' باب الحلم من الشیطان......(۱۴)' ح ۷۰۰۵' ص: ۵۸۵

(۱۱) ایضاً 'کتاب الآذان' باب الدعاقبل السلام (۱۴۹)' ح ۸۳۲' ص:۶۶

(۱۲) :الاعراف (۷):۱۷اورالاسراء (۱۷):۶۳-۶۵

(۱۳) المفردات،ص:۲۷۰

(۱۴) لسان العرب، ج:۱۷۔۱۸،ص:۱۰۴

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ایضاً

(۱۷) خازن، تفسیر الخازن ، بیروت: دارالکتب العلمیہ ،طبعہ اولیٰ، ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء، ج:۱،ص:۱۲

(۱۸) المفردات،ص:۲۷۰

(۱۹) تفسیر قرطبی ،مقدمہ، ج:۱،ص:۹۶

(۲۰) لسان العرب ' ج:۱۲،ص:۲۲۷

(۲۱) الشعراء (۲۶):۱۱۶

(۲۲) الصّٰفّٰت (۶۷):۵

(۲۳) تفسیر قرطبی،مقدمہ، ج:۱،ص:۹۶

(۲۴) تفسیر ابن کثیر' ج:ص:

(۲۵) الناس (۱۱۴):۵

(۲۶) الاعراف (۷):۱۱-۱۳

(۲۷) الحجر (۱۵):۲۹-۳۰

(۲۸) الحجر(۱۵):۲۸
(۲۹) التکویر(۸۱):۲۵
(۳۰) الانعام(۷):۱۱۳
(۳۱) ایضاً: البقرہ(۲):۱۴
(۳۲) الانعام(۶):۱۲۲
(۳۳) النحل(۱۶):۹۸
(۳۴) الاعراف(۷):۱۷
(۳۵) الاسراء(۱۷):۶۵۔۶۳
(۳۶) النحل(۱۶):۹۹
(۳۷) النحل(۱۶):۱۰۰
(۳۸) الاعراف(۷):۲۰
(۳۹) الناس(۱۱۴):۵۔۳
(۴۰) مستدرک حاکم،ج:۱،ص:۸
(۴۱) الفلق(۱۱۳):۵
(۴۲) ایضاً
(۴۳) البقرہ(۲):۲۷۵
(۴۴) الاعراف(۷):۲۷
(۴۵) ایضاً: آیت نمبر ۳۰
(۴۶) آل عمران(۳):۱۶۰
(۴۷) الاحزاب(۳۳):۳۹
(۴۸) النحل(۱۶):۹۹
(۴۹) آل عمران(۳):۱۷۵
(۵۰) النحل(۱۶):۹۸
(۵۱) البقرہ(۲):۶۷
(۵۲) ایضاً: النحل(۱۶):۹۸
(۵۳) ترمذی: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الامام الحافظ(م۲۷۹ھ)،الجامع المختصر من السنن عن رسول الله و معرفة الصحیح والمعلوم وما علیه العمل، (دار السلام،الطبعۃ الاولیٰ:۱۴۲۰ھ /۱۹۹۹م)،ابواب الدعوات،باب ماجاء فی دعاء،ح؛۳۳۹۰،ص:۷۷۳
(۵۴) مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فی التعوذ من سوء القضاء :۱۶، ح:۶۸۷۹
(۵۵) صحیح بخاری' کتاب التعبیر' باب الحلم من الشیطان...... (۱۴)' ح:۷۰۰۵' ص:۵۸۵

(۵۶) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الوسوسه من الایمان......ح: ۳۴۵، ص:۷۰۰

(۵۷) ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعا اذا اوی الی فراشه، ح:۳۳۹۴ اور ۳۴۰۰، ص:۲۰۰۰

(۵۸) ترمذی ، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا دخل السوق:۳۶، ح: ۳۴۲۸

(۵۹) ایضاً، باب ماجاء مایقول اذا فرج من بیته:۳۴، ح:۳۴۲۶

(۶۰) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعا عندالخلاء: (۱۵) ح:۶۳۲۲

(۶۱) ترمذی، ابواب الدعوة، باب ماجاء فی دعاء اذاصبح وامسی، ح:۳۳۹۲، ص:۷۷۴

(۶۲) یوسف (۱۲):۲۲ اور ۷۹

(۶۳) مسلم: کتاب الذکروا الدعاء باب دعا دالکرب: ۲۱، ح:۶۹۲۱

(۶۴) البقرہ (۲): ۶۷

(۶۵) بیضاوی، ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر (۶۹۱ھ)، انوارالتنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر البیضاوی، بیروت: داراحیاء التراث العربی، الطبعة الاولی، ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۸ء، ج:۳، ص:۲۴۰

(۶۶) تفسیر خازن، ج:۳، ص:۹۸

(۶۷) جصاص: ابوبکر احمد بن علی الرازی (م۳۷۰ھ)، احکام القرآن (تفسیر جصاص)، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبعہ وسن ندارد، اص، ج:۳، ص:۲۴۸

(۶۸) ایضاً، ج:۳، ص:۲۴۸

(۶۹) تفسیر بیضاوی، ج:۳، ص:۲۴۰

(۷۰) تفسیر جصاص، ج:۳، ص؛۲۴۸

(۷۱) ایضاً

(۷۲) المائدہ (۵):۶

(۷۳) تفسیر قرطبی، ج؛۱، ص:۹۲، تفسیر خازن، ج:۳، ص:۹۷

(۷۴) تفسیر ابن کثیر، مقدمہ، ج:۱، ص:۳۴،

(۷۵) الاعراف (۷):۲۰۰

(۷۶) ایضاً، حم السجدہ (۴۱):۳۶

(۷۷) المومنون (۲۳): ۹۷، ۹۸

(۸۱) البقرة (۲):۲۶

(۸۲) آل عمران (۳): ۱۶۴

(۸۳) الواقعہ (۵۶): ۷۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆